پروفیسر سحر انصاری

بلاغتِ اظہار

حیدر آباد فرخندہ بنیاد ایک ریاست یا ایک شہر ہی نہیں تھا- وہ ایک تاریخ اور ایک تہذیب کی بے مثال علامت تھا- قطب شاہی دور سے آصف جاہی عہد تک حیدر آباد کی تہذیب نے بر صغیر کی تاریخ کے اوراق پر ان مٹ نقوش ثبت کئے ہیں- شاید یاد آوری انسان کی ذہنی ضرورت ہے- اسی لئے ادوارِ گزشتہ کی سمت بار بار انسانی ذہن منعطف ہوتا ہے اور حال اور مستقبل کے لئے کوئی نیا اشاریہ ترتیب دیتا ہے-

قابل ستائش ہیں وہ اہلِ فہم و فراست جو اپنی تہذیب کی اہمیت کو محسوس کرتے اور اس کے اسالیب کو کسی نہ کسی انداز سے محفوظ و متعارف کرانے کی کاوش میں منہمک رہتے ہیں- ایسے ہی اہلِ فکر و دانش میں شاہ بلیغ الدین صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے- جنہیں تاریخ عالم، تاریخ اسلام اور تاریخ حیدر آباد سے خصوصی دلچسپی ہے- کوئی تاریخ بھی محض واقعات کے اعادے اور اعداوو شمار کی تفصیلات کا نام نہیں ہوتی- تاریخ اور تہذیب دونوں کی تشکیل اور اہمیت افرادِ معاشرہ کی تخلیقی پیش کش کا نتیجہ ہوتی ہے- حیدر آباد کی تہذیب ہمہ جہت تھی- ہر شعبۂ حیات میں وہاں کے فرزندوں نے کارہائے نمایاں سر انجام دیے ہیں-

بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۵۱ پر

بقیہ "بلاغتِ اظہار"

شاہ بلیغ الدین صاحب کے نام اور ان کی علمی صلاحیتوں سے کون واقف نہیں- آپ نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے سالہا سال تک ایسی دل نشیں تقریریں کیں جو اپنے اسلوب اور لب و لہجہ کی بناء پر یادگار بن گئیں- ان تقاریر کے کئی مجموعے مرتب ہو کر شائع ہوئے اور علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے-

اس بار شاہ صاحب نے ایک اچھوتا موضوع منتخب کیا ہے..... "فرزندان جامعہ عثمانیہ" حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر دل جمعی سے لکھنے کی ضرورت تھی- شاہ صاحب نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے-

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کی انتہائی ممتاز دانش گاہ تھی- اس کی علمی و ادبی خدمات کے بارے میں برابر لکھا جا رہا ہے- اس جامعہ کے اساتذہ اور فارغ التحصیل طلبہ و طالبات بر صغیر کے جغرافیائی حدود سے نکل کر بین الاقوامی سطح پر خود کو منوا چکے ہیں- ان میں انجینئر بھی ہیں اور ڈاکٹر بھی- اساتذہ بھی ہیں اور وکلاء بھی- ڈراما نویس بھی ہیں اور شاعر و ادیب بھی- علمائے دین بھی ہیں اور خطیب و مقرر بھی- صحافی بھی ہیں اور نشر کار بھی- کھلاڑی بھی ہیں اور موسیقار بھی- مصور بھی ہیں اور کارٹونسٹ بھی- سائنس دان بھی ہیں اور ماہرین علوم انسانی بھی- غرض ایک ایسا نگار خانہ ہے جس کے تنوع کے آگے ارژنگ مانی بھی دنگ رہ جائے-

شاہ بلیغ الدین صاحب یکے از فرزندان جامعہ عثمانیہ ہیں- وہ ایک فعال اور صحبت یافتہ شخصیت ہیں- اس لئے اس کتاب میں بیشتر ایسی شخصیات ہی پر مضامین پیش کئے گئے ہیں جن سے شاہ صاحب کی ذاتی واقفیت بھی رہی ہے- کہا جاتا ہے کہ سوانح نویس یا خاکہ نگار ایسی شخصیات کا انتخاب کرتا ہے جو اس کی پسندیدہ ہوں اور جن میں اسے اپنی ذات، اپنے اقدار و معیار کی جھلک بھی نظر آتی ہو- اس اعتبار سے یہ تمام شخصیات یقیناً شاہ صاحب کے معیارِ حیات اور تصور اقدار کی نمائندگی کرتی ہیں-

شخصیت نگاری ایک مشکل فن ہے- پھر جب شخصیات اس قدر متنوع ہوں اور ان کے شعبہ ہائے زندگی اس قدر مختلف ہوں تو ان پر وہی شخص قلم اٹھا سکتا ہے جسے ایسی شخصیات کو پرکھنے اور سمجھنے کا ہنر آتا ہو اور جو خود بھی ان شعبوں سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو- مقام مسرت ہے کہ شاہ بلیغ الدین صاحب نے تمام شخصیات کے ساتھ انصاف کیا ہے اور ایک چابکدست مصور کی طرح چند رنگوں اور چند خطوط سے جیتی جاگتی، متحرک تصویریں بنا دی ہیں- یہ مرقعے بلاشبہ مرقع نگاری میں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں-

شاہ صاحب کا انداز بیان دلچسپ اور حقیقت آمیز ہوتا ہے- یہ اسلوب ان کے ہر مضمون میں موجود ہے- مثال کے طور پر ابراہیم جلیس کے مرقع میں ان کی کتاب "دو ملک ایک کہانی" پر تبصرہ کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں: یہ بات میں پوری طمانیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس میں

کچھ اصل ہے، کچھ نقل ہے، کچھ طرز ادا ہے

شاہ صاحب کے مضامین پڑھ کر یہ تاثر پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان تمام قلمی خاکوں میں متعلقہ افراد کے ضروری کوائف کے علاوہ ایسے واقعات بھی کثرت سے درج کئے گئے ہیں جن کو یکجا کرنے سے اس عہد کی معاشرتی، سیاسی، ادبی، مذہبی اور تہذیبی تاریخ کے بعض گوشے اپنی سچائی کے ساتھ اجاگر ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ہر ایک سے محبت، عقیدت اور خلوص کا تعلق ضرور ظاہر کیا ہے لیکن کہیں بھی رورعایت سے کام نہیں لیا ہے۔ جہاں تک ہو سکا ہے معروضیت برقرار رکھی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

"یوں دکن میں مسلمانوں کا مسلسل اقتدار بارہ سو برس تک قائم رہا۔ اپنے اپنے اقتدار کے نشے میں مست یہ فرمان روا اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے کہ انہوں نے مرد آخر بیں ہونے کا ثبوت نہ دیا۔ کچھ حکمراں نماز روزے کے پابند ضرور تھے لیکن انہوں نے اعلائے کلمتہ الحق کے فریضے کو بالکل بھلا رکھا تھا۔"

اس طرح افراد کے بارے میں ان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خامیاں بھی (اگر ہیں) بیان کی ہیں لیکن کہیں انداز شائستگی سے باہر نہیں ہے۔ ذاتیات کا معاملہ کہیں زیر بحث نہیں آیا۔ جو واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ان کی کوئی واقعاتی اہمیت ضرور ہے جس کی بناء پر انہیں پیش کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی ذات کو بھی بے کم و کاست پیش کیا ہے۔ جامعہ کی اسٹرائیک کے حوالے سے جو تفصیل لکھی ہے اس میں غیر جانب داری کا عنصر موجود ہے۔ بعض واقعات جو دلچسپ بھی ہیں اور معنی خیز بھی، پہلی بار شاہ صاحب کی ان تحریروں میں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر شفقت صدیقی کے خاکے میں ذوالفقار علی بھٹو کا ایک دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے۔ جب بھٹو اور ڈاکٹر صدیقی شکاگو میں طالب علم تھے اور بھٹو صاحب نے ٹیلی فون پر صدر پاکستان بن کر ایک اسٹیٹ گورنر کو پاکستان اسٹوڈنٹس کونسل کے افتتاحی جلسے میں مدعو کر لیا تھا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات سے بھی شخصیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

شاہ بلیغ الدین صاحب جن شخصیات سے ذاتی طور پر ملے ہیں ان کے خدوخال کی تصویر کشی اس انداز میں کی ہے کہ پوری شخصیت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کسی شخصیت کو کتنی گہرائی اور جزئیات کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر رکن الدین حسان اور شاذ تمکنت کے خاکے مثالاً پیش کئے جاسکتے ہیں۔

مجموعی طور پر شاہ بلیغ الدین صاحب کی کتاب "تذکرہ عثمانین" ایک دلچسپ، معلوماتی اور تاریخی نوعیت کی تصنیف ہے۔ بعض گوشے ایسے ہیں کہ حیدرآباد، جامعہ عثمانیہ اور متعلقہ شخصیات پر تحقیقی کام کرنے والوں کیلئے "تذکرہ عثمانین" ماخذ کا کام بھی دے گی۔ مجھے یقین ہے کہ شاہ صاحب کی اس کتاب کی خاطر خواہ پزیرائی ہوگی۔